القضاء والجزاء
بأمر الله متى يشاء

عذاب قبر کی حقیقت

تألیف
شیخ العرب والعجم سید علامہ
ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

www.sirat-e-mustaqeem.com

نام کتاب : عذاب قبر کی حقیقت

مولف : فضیلۃ الشیخ علامہ بدیع الدین شاہ الراشدی (رحمۃ اللہ علیہ)

صفحات : ٦٣

ناشر : الکتاب انٹرنیشنل

www.sirat-e-mustaqeem.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمدلله والصلاة والسلام على رسوله الله، و بعد!

ہمارا دین، دین اتباع ہے۔ دین ابتداع یا دین اختراع نہیں ہے، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرما دیا اسے قبول کر لیا جائے، اس سے آگے نہ بڑھا جائے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ .....

(الحجرات:۱)

ترجمہ: اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سب سے بہتر و برتر اس شخص کو قرار دیا ہے جو اپنے آپ کو اس کے فرامین کے آگے جھکا دے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (النساء : ۱۲۵)

یعنی اس سے بہتر دین کس کا ہو سکتا ہے جو اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دے اور اللہ تعالیٰ کے فرامین کو اپنا لے اور ذاتی فکر و عقل کے استعمال اور ابتداع و اختراع سے یکسر گریز کرے۔

جب سید الاوّلین والاخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ اس دین میں کسی نئی فکر یا حدث کو پیدا کرنے کے مالک نہیں ہیں۔ تو پھر دوسرا کون ہے جسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم : ۴)

www.sirat-e-mustaqeem.com

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (الاحقاف: ۹)

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (الاحزاب: ۲)

تاریخی حقائق و تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جن لوگوں نے اتباع کے پاکیزہ منہج کو چھوڑ کر ذاتی عقل وفکر کو شریعت میں داخل کیا وہ گمراہ ہو گئے اور نہ صرف یہ کہ خود گمراہ ہوئے بلکہ بہت سے لوگوں کی تضلیل کا سبب بن کر اپنے نامہ اعمال کو خوب سیاہ کر کے دنیا سے رخصت ہوئے۔

یہ مختصر مقدمہ کسی تفصیلی بحث کا متحمل نہیں ہے ورنہ بہت سی مثالوں کے ذریعہ اس موقف کو ثابت کیا جا سکتا ہے، البتہ ایک مثال پیش خدمت ہے:

''اس امت میں ذاتی عقل، رائے اور فکر کی بنیاد پر گمراہ ہونے والا پہلا طائفہ ''قدریہ'' کے نام سے معروف ہے، انہوں نے مسئلہ تقدیر پر شرعی نصوص کو من وعن تسلیم کرنے کے بجائے ذاتی عقل سے سوچنا شروع کیا، چنانچہ جس قدر وہ سوچتے گئے اسی قدر گمراہی کے نقوش گہرے ہوتے گئے، حتیٰ کہ ان کے کچھ بے قرار عناصر نے تقدیر کا انکار ہی کر ڈالا، اسکے مقابلہ میں دوسرے اہل عقل ورائے نے تقدیر کے تعلق سے انسان کو مجبور محض قرار دیا، ان کے یہاں بندے کی عبادت اور معصیت دونوں برابر ہیں، (والعیاذ باللہ)

رسول اللہ ﷺ نے اس طائفہ کے متعلق فرمایا:

القدریة مجوس هذه الأمة (ابوداؤد)

یعنی یہ لوگ (قدریہ) اس امت کے مجوسی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی اور شاگرد رشید عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

www.sirat-e-mustaqeem.com

کے سامنے قدریہ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

''اگر مجھے یہ لوگ مل جائیں تو میں ان کی گردنیں توڑ دوں''

مزید فرمایا:

''انہیں جا کر بتا دو کہ میں انکی اس روش باطل سے بری اور لاتعلق ہوں''

(صحیح مسلم)

قارئین کرام! یہ بدانجام ان لوگوں کا ہے جو شرعی نصوص کے آگے جھکنے اور انہیں تسلیم کرنے کے بجائے اپنی عقل و دانش کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے منفی سوچ کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، لمبی لمبی گفتگو کرتے ہیں مباحثے اور مجادلے میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں، منطق، فلسفہ اور علم کلام کے ذوق کی وجہ سے حلاوت و مٹھاس اور ایمان و اتباع کی لذت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں، وہب بن منبہ نے کیا خوب فرمایا تھا:

''مسئلہ تقدیر کو سب سے بہتر وہ سمجھتا ہے جو اس
سلسلے میں سب سے زیادہ خاموش رہے''

ہمارے اس پرفتن دور میں عقل و خرد اور رائے کے پجاری افراد کی کمی نہیں ہے بہت سے مسائل کو ذاتی عقل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں، اس کی ایک مثال عذاب قبر ہے۔

یہ مسئلہ قرآن و حدیث کے صریح نصوص سے ثابت ہے، ایمان و ایقان اور قبول و اذعان ہی میں ہماری بھلائی اور سعادت و عافیت ہے لیکن بہت سے لوگ بوجوہ اپنی عقل سے غور و فکر کے عادی ہوتے ہیں، یہاں بھی اس روش بد میں گرفتار

www.sirat-e-mustaqeem.com

ہو گئے ،اور گمراہی بلکہ کفر کے گھٹا ٹوٹ اندھیروں میں گر گئے۔

ان کی اس روش سے شرعی نصوص کا انکار تو لازم آتا ہی ہے، مگر بعض دفعہ وہ قدرت الٰہیہ کے بھی منکر دکھائی دیتے ہیں ،ایسے لوگوں کی نحوست اس امت کی اجتماعی حیات میں پریشانیوں کا باعث بنتی ہے۔

لوگو! اس سسکتی ہوئی بے قرار و پریشان حال قوم کا علاج صرف اتباع رسول ﷺ ہی میں مضمر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رائے فی الدین سے اجتناب کیا کرتے تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

''اگر میں نے اس دین میں کوئی بات اپنی رائے
سے کہی تو میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں''

جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہے:

اجتنبوا الرأی فی الدین

دین میں رائے سے بچو۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس یمن سے آیا ہوا ایک شخص کسی بات میں أرأیت ... أرأیت کہہ کر رائے شامل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، آپ نے فرمایا:

''آئندہ لفظ أرأیت کو یمن میں چھوڑ کر آنا۔''

عطا تابعی رحمہ اللہ (دوسو صحابہ کے شاگرد) فرمایا کرتے تھے۔

''کسی مسئلہ میں اس زمین پر میری رائے ذکر کی
جائے اس سے مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے''

اگر عذاب قبر کے برحق ہونے کو قبول کرلیا جائے ، کیونکہ اللہ اور اس کے

www.sirat-e-mustaqeem.com

رسول ﷺ کے صریح فرامین سے ثابت ہے تو یہ عافیت کا راستہ ہے، لیکن بہت سے لوگوں نے اپنی رائے اور عقل کو استعمال کرنے کی کوشش ناکام اور سعی لا حاصل کی وہ ثابت تو کچھ نہ کر سکے لیکن گمراہی کے عمیق گڑھے میں ضرور گر گئے۔

زیر نظر رسالہ اس کی عمدہ مثال ہے ہندوستان کے ایک جودھپوری مؤلف محمد اصغر صاحب نے اس مسئلہ کو عقل وخرد کی کچی بنیادوں پر اٹھایا اور انہوں نے مضحکہ خیز طریقے سے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی۔

شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے بعض دوستوں کے اصرار پر اس کا عالمانہ تعاقب کیا ہے اس علمی تعاقب سے جودھپوری کے رسالہ کا سارا مواد ''ھباء منثورا'' ہو گیا ہے۔

بنظر انصاف اس رسالہ کا مطالعہ کیا جائے اور جو لوگ عذاب قبر کے انکار کے بھیانک جرم میں گرفتار ہو چکے ہیں ان کی جاہلانہ روش کے لئے اس رسالہ کو عام کیا جائے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اللہ تعالیٰ شیخ العرب والعجم رحمہ اللہ کی اس علمی جہود کو قبول فرمائے، اس کا نفع عام کر دے، اور گمراہی میں مبتلا انسانیت کو ہدایت عطا فرمائے۔

والله الموفق لمراده، وهو المجيب الدعوات واصلى واسلم على نبيه محمد وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين

کتبہ عبداللہ ناصر رحمانی

امیر جمعیته اهل حدیث سنده ۲۱/۲/۹۹

www.sirat-e-mustaqeem.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

أمابعد !

جودھپور (ہندوستان) کے ایک مولوی اصغر صاحب کا ایک رسالہ بنام ''الجزاء بعد القضاء'' ہمیں ملا ہے۔ جس میں قبر کے عذاب کا صریحاً انکار کیا گیا ہے۔ اور پورا زور لگایا گیا ہے کہ عذب صرف آخرت میں ہوگا۔ اور جو کچھ قبر کے عذاب کے بابت کہا جاتا ہے اس کا قرآن میں کوئی ثبوت نہیں اور جن حدیثوں میں ذکر ہے وہ قرآن کے خلاف ہیں، لہٰذا قابلِ قبول نہیں، بعض دوستوں کے اصرار پر اس کا جواب لکھا جارہا ہے، امید ہے کہ مصنف اور اہل حق لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

www.sirat-e-mustaqeem.com

مصنف رسالہ نے جو باتیں لکھی ہیں، وہ یہ ہیں:۔

پہلا اعتراض قرآن میں متعدد بار ذکر آیا ہے کہ صرف قیامت میں حساب و کتاب ہوگا اور اس کے بعد عذاب ہوگا، اس سے قبل عذاب معقول نہیں۔

الجواب قرآن کریم نے دنیا میں بھی عذاب کا ذکر کیا ہے مثلاً فرمایا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الروم: ۴۱)

خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لئے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔

یہ عذاب آخرت سے پہلے ہے۔ نیز فرمایا:۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ (الرعد: ۳۴)

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے۔ اور انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

اور فرمایا:۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشوریٰ: ۳۰)

www.sirat-e-mustaqeem.com

تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہیں۔

نیز فرمایا:۔

قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْيَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (الانعام :٦٥)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ درگروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے۔

اب بتائیں یہ عذاب کس حساب کے تحت ہے اور قیامت سے پہلے کیوں عذاب ہوا؟ اگر یہی وجہ قبر کے عذاب کے منافی ہے تو وہی وجہ دنیا میں عذاب کے بھی منافی ہے اگر کہو گے کہ یہ بھی قرآن میں ہے تو پھر قرآن میں اختلاف وتعارض کیوں؟

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِغَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوافِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

(النساء :٨٢)

اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔

اگر ان دونوں طرف کی آیات میں تطبیق ممکن ہے تو احادیث وآیات میں بھی تطبیق ہوسکتی ہے۔ ایضاً۔

قرآن کریم میں پچھلی قوموں کے عذاب کا ذکر ہے مثلاً نوح، ہود، صالح

www.sirat-e-mustaqeem.com

علیہم السلام کی قوموں پر عذاب آیا۔ اور وہ ہلاک و برباد ہو گئے، ان سے کون سا حساب ہوا تھا، اور قیامت سے پہلے کیوں عذاب ہوا، اس سے صاحب رسالہ کا قائم کیا ہوا کلیہ ختم ہو گیا۔ نیز فرمایا:۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِباً وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (العنکبوت: ۴۰)

پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کی بارش برسائی اور ان میں سے بعض کو زوردار سخت آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

کیا وہ بقول شما قیامت میں اللہ کے سامنے کہہ سکتے ہیں کہ جب آپ نے حساب کا دن رکھا تو پھر اس سے قبل ہم کو کیوں عذاب دیا، اسی طرح فرعونیوں کو غرق کیا وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حساب سے قبل ہم کو کیوں ڈبو دیا، الغرض قیامت سے پہلے عذاب ہونا بھی اللہ کے قانون میں ہے، اور اس کے خلاف نہیں، پس اس بناء پر یہ اعتراض کرنا اور عذاب قبر کا انکار کرنا دیانت داری کے خلاف ہے۔

دوسرا اعتراض کہتے ہیں کہ مردہ جسم بے حس ہوتا ہے، اس کو تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہو سکتا، پس اس کو عذب دینے کا کیا فائدہ؟

www.sirat-e-mustaqeem.com

الجواب یہ ان کا اللہ کی قدرت پر اعتراض ہے۔

دیکھو! زبان کو اللہ نے کلام کرنے کی طاقت دی ہے، مگر کسی اور عضو کا بولنا معقول نہیں، لیکن قیامت کے دن انسان کے دوسرے اعضاء بھی بولنے لگیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (يٰس : ٦٥)

ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور انکے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دینگے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔

نیز فرمایا:۔

حَتّٰى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (حٰمٓ السجدة : ٢٠.٢١)

یہاں تک کہ جب وہ بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے تو ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی، یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا

www.sirat-e-mustaqeem.com

فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اس نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔

اب غور کریں کہ ہاتھ، پاؤں، کانوں، آنکھوں اور چمڑیوں میں بولنے کی طاقت نہیں، جب زبان بند ہوتی ہے، تو یہ سارے اعضاء بولنے سے عاجز ہوتے ہیں، اور مشاہدہ میں آیا ہے کہ جو گونگا ہوتا ہے۔ تو اس کا کوئی دوسرا اعضو بات نہیں کرسکتا، مگر اللہ نے چاہا تو ان سے یہ کام لے لیا۔

اب غور فرمائیں کے اللہ تعالیٰ کسی کو بھی تکلیف دے سکتا ہے اگر چہ وہ ہماری نظر میں بے حس اور بے کار ہو، بے جان چیزوں اور جمادات اور نباتات سے بھی خطاب کرسکتا ہے اور جواب لے سکتا ہے جیسا کہ:

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ (حم السجدۃ: ۱۱)

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں۔

اب مصنف رسالہ بتائیں کہ زمین اور آسمان میں کوئی حس یا جان ہے کہ ان دونوں نے بات سنی اور جواب دیا، اگر کہو گے کہ یہ اللہ کی قدرت ہے، وہ سب پر قادر ہے تو ہم اللہ کی قدرت کے قائل ہیں، اس میں کوئی شک نہیں، اسی طرح آپ مردوں کی حس کو سمجھیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی حس دلا سکتا ہے، یہی مطلب ہے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

www.sirat-e-mustaqeem.com

کا، نیز فرمایا:۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَ كِ وَيٰسَمَاءُ أَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاءُ وَ قُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْداً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (هود: ۴۴)

فرمایا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان برس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی نامی پہاڑ پر جا لگی اور فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو۔

اب غور کریں کہ زمین و آسمان کو خطاب کیا اور بے حس کو سنایا اور انہوں نے عمل کیا، کیا اب بھی اللہ کی قدرت میں کوئی شک ہے؟ پس احادیث صحیحہ کو رد کرنے کے لئے صرف یہی سب کافی نہیں، ایضاً آگ بھی بے جان ہے لیکن اس کو بھی خطاب ہوا کہ:۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْداً وَّسَلاَماً عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ

(الانبیاء: ۶۹)

ہم نے فرما دیا اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے سلامتی (اور آرام کی چیز) بن جا۔

اب اس بے جان نے کیسے آواز سنی، اور حکم کی تعمیل کی، اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا، تو صرف اسی وجہ سے حدیثوں کو رد کرنا ایمانداری پر مبنی نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض کہتے ہیں کہ ہم جانوروں کو ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے

www.sirat-e-mustaqeem.com

ان کا گوشت کھاتے ہیں، اور کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم انکو کاٹ کر ایذاء یا تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ ثابت ہوا کہ مردے کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔

الجواب یہ سوال بھی کم فہمی پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان کو اپنے حال پر قیاس کیا گیا ہے حالانکہ حکم یہ ہے کہ:

فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل: ۷۸)

پس اللہ تعالیٰ کیلئے مثالیں مت بناؤ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ہمیں اس لئے ان کا احساس نہیں ہوتا کہ ہمیں یہ نہیں بتایا گیا ہے، لیکن جس کے بابت قرآن و حدیث میں بتایا گیا ہے اس کو ماننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے احساس دلائے اور جس کو چاہے نہ دلائے۔

چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا:

مِمَّا خَطِيْئَاتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْصَارًا (نوح: ۲۵)

یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دئے گئے اور جہنم میں پہنچا دئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار انہوں نے نہ پایا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہاں ماضی کے صیغے ہیں، جن میں گذری ہوئی باتوں کا ذکر ہے، جب ڈوب کر مر گئے اور بے حس ہو گئے پھر کیونکر ان کو آگ میں ڈالا گیا؟ کیا ان کو احساس ہوا ہوگا۔ مصنف رسالہ کو قرآن پر یقین کا بڑا دعویٰ ہے۔ اب قرآن کی خبر کو سچا

www.sirat-e-mustaqeem.com

کہیں گے یا نہیں؟ اگر سچ ہے تو اعتراض ختم ہوگیا، اگر یہ سچ نہیں تو پھر جب آپ کے پاس قرآن کی خبر معتبر نہیں تو حدیث کی خبر کو کہاں تسلیم کریں گے ایضاً

ایک جگہ پر قرآن کریم میں جہنمیوں کے بارے میں ہے کہ:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَا هُمْ جُلُوداً غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (النساء : ٥٦)

جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔

مشاہدہ ہے کہ آگ میں ڈالتے ہی انسان مرجاتا ہے، خصوصاً جہنم کی آگ جو اس آگ سے کئی گنا زیادہ گرم ہے، اور چمڑیاں جل جانے کے بعد ان کو عذاب کا کیا احساس رہے گا؟ مگر اللہ تعالیٰ ان کو دوسری چمڑیاں دیتا رہے گا تا کہ عذاب چکھتے رہیں، اس طرح قبر میں عذاب کے وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ ان کے لئے بھی احساس کی کوئی صورت بنادے۔

الغرض مصنف رسالہ نے جو احادیث پر اعتراض کئے ہیں وہ قرآن کریم پر بھی وارد ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ اعتراض حقانیت پر مبنی نہیں ہے، اگر برحق ہوتے تو کبھی قرآن کریم پر وارد نہیں ہوسکتے۔

چوتھا اعتراض لکھتے ہیں کہ متعدد آیتوں میں صرف دو بار موت کا ذکر ہے، اور اس طرح عذاب قبر کو تسلیم کرنا یا یہ کہنا کہ سوال کے لئے ان میں اس وقت روح لوٹائی جاتی ہے تو یہ تیسری موت ہوگی، اور قرآن کے خلاف ہے۔ اور دلیل کے طور پر یہ آیتیں لکھی ہیں:۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتاً فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (البقرة : ٢٨)

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قَالُوا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ اِلَى خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (المومن: ١١)

وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو بار مارا اور دو بار ہی جلایا، اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ (المؤمنون : ١٥.١٦)

اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مرجانے والے ہو پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(الجاثیہ: ٢٦)

آپ کہہ دیجئے! اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

ان آیات سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ دو زندگیاں اور دو موت ہیں، لیکن قبر میں ہونے والے سوال و عذاب کو تسلیم کرنا گویا یہ تیسری موت اور تیسری زندگی ہے۔

الجواب اولاً۔ یہ کوئی اختلاف نہیں، اختلاف تب ہوتا ہے کہ جب دو میں سے کسی ایک کا انکار کیا جاتا، بلکہ یہ زائد چیز ہے جو ان دو کو بھی متضمن ہے، جس کو قانوناً اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔

ثانیاً۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ عارضی زندگی ان دو زندگیوں کے خلاف نہیں ہے۔ اس کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں، مثلاً:

پہلی مثال

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْساً فَادّٰرَأْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ يُرِيْكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (البقرہ ۸۲، ۸۳)

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں [illegible] کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے [illegible] نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو ([illegible] گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔

اب مصنف رسالہ بتائیں کہ یہ تیسری حیات کہاں سے آئی؟

کیا یہ دونوں آیتیں متعارض نہیں ہوئیں؟ اگر یہ تعارض نہیں تو حدیث کا فیصلہ بھی اس

www.sirat-e-mustaqeem.com

کے خلاف نہیں ہے، اگر کہو کہ یہ وقتی اور عارضی زندگی کسی ضرورت (یعنی قاتل کو ظاہر کرنے) کے لئے ہے تو یہ زندگی بھی اس طرح عارضی اور وقتی ضرورت یعنی سوال کیلئے ہے۔ پھر ایک کو تسلیم کرنا اور دوسرے کا انکار کرنا انصاف کے خلاف ہے، اگر یہی وجہ حدیثوں کے رد کرنے کی ہے تو یہی اعتراض قرآن پر بھی وارد ہو سکتا ہے۔

دوسری مثال

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ

(البقرہ : ۲۸۳)

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ، پھر اس نے انہیں زندہ کر دیا، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

اب یہ تیسری زندگی اور تیسری موت ہے یا یہ کہو کہ ان پر عام موت جو لوگوں پر آتی ہے وہ نہیں آئی، اور یہ قیامت تک زندہ رہیں گے، دو زندگیاں اور دو موت تو ہو چکیں، ایسا ناممکن ہے پس ماننا پڑے گا کہ اصل دو موت اور دو زندگیاں ہیں، مگر ان کے درمیان عارضی اور وقتی طور پر کسی ضرورت کی بناء پر موت یا زندگی کا آنا اس کے خلاف نہیں ہے، لہٰذا احادیث میں ایسی کوئی بات بیان نہیں ہوئی جو ناممکن ہو، بلکہ اس کا خود قرآن کریم میں وجود موجود ہے۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

اب مصنف رسالہ قرآن کریم وحدیث شریف دونوں کا انکار کرے یا پھر دونوں کو تسلیم کرے۔

من نہ گویم ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آساں کن

تیسری مثال:

أَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ

(البقرہ: ۲۵۹)

یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گذر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کریگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لئے، پھر اسے اٹھایا۔

اب اس شخص پر ایک موت اور ایک زندگی تو آچکی، اور كُنْتُمْ أَمْوَاتاً فَأَحْيَاكُمْ کے دور سے تو گذر چکا، اب اس پر دوسری بار موت آئی، اور طویل عرصہ مرار ہا، یعنی سو سال گذر گئے پھر اس کو زندگی دی، اب قانونِ الٰہی کے مطابق اس پر موت نہیں آئی ہوگی، جو اجل کے پورے ہونے پر سب پہ آتی ہے، اور یہ تو آپ نہیں کہہ سکتے کہ یہی اس کا اجل تھا، نیز طویل موت کے بعد اس کو زندگی بھی ملی، اب اس کے قیامت میں اٹھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، یا پھر یہ مانو کہ یہ ان دو صورتوں اور دو زندگیوں سے زائد موت ہے۔ بس یہی ہمارا کہنا تھا، جس کی طرف آپ لوٹ کر

www.sirat-e-mustaqeem.com

آئے۔

پس یہ طریقہ حدیث کو رد کرنے کا نہیں، اور منکرین کا شیوہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ احادیث پر ایسے اعتراض کرتے ہیں جو قرآن کریم پر بھی وارد ہو سکتے ہیں، نعوذ باللہ من ذالک

چوتھی مثال

وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرة : ۵۵۔۵۶)

اور تم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گذاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔

اب بتائیں کہ اس قرآنی خبر کو سچا مانتے ہو؟ اگر مانتے ہو اور یقیناً ہے بھی سچی، اس میں کوئی شک نہیں تو پھر اس قانون کے خلاف نہیں۔

موت صرف دو اور زندگیاں بھی دو ہیں، اگر اس بات کو تسلیم کرتے ہو تو پھر حدیث کے فیصلہ کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ دونوں میں کوئی استحالہ نہیں، ہاں اگر صرف حدیث سے دشمنی ہے اور اس کو قطعاً ماننا ہی نہیں تو یہ مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے۔

کیونکہ سلف سے خلف تک سب صحیح احادیث کو مانتے چلتے آئے ہیں، لیکن اس بہانہ کا پردہ چاک ہو گیا، کہ ہم حدیث کو اس لئے نہیں مانتے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے،

www.sirat-e-mustaqeem.com

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے، اور یہاں بھی کوئی بات خلاف نہیں کہی، بلکہ وہی بات فرمائی ہے جس کی گنجائش قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔

پانچواں اعتراض کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے کہ:۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ: ۴۹. ۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے ضرور جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت

الجواب یہ کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ قیامت سے پہلے سب اٹھائے جائیں گے یا جمع کئے جائیں گے، نہ حدیثوں میں ایسی کوئی بات ہے لہٰذا یہ آیت موضوع سے خارج ہے، حدیث میں اس اکیلے مردے کی بات ہے کہ اس سے سوال ہوگا، یا اس کو عذاب ہوگا، مجموعی طور پر کوئی ذکر نہیں، بلکہ دونوں مسئلے اپنی جگہ پر صحیح ہیں کہ سب کا مجموعی طور پر جمع ہونا اور اکٹھے عذاب کے تحت آنا قیامت کے دن ہوگا اور قیامت سے قبل انفرادی طور پر ان پر عذاب ہوگا، اور سوال ہوگا۔

چھٹا اعتراض کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یٰس: ۵۱. ۵۲)

تو صور کے پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے

www.sirat-e-mustaqeem.com

پروردگار کی طرف چلنے لگیں گے کہیں گے ہائے ہائے، ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھادیا، یہی ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔

الجواب اس آیت میں صرف ایک بار نفخ (پھونکنے) کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں دو بار پھونکنے کا ذکر ہے اور ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ

(الزمر: ٦٨)

اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا پس وہ ایک دم کھڑے ہوکر دیکھنے لگ جائیں گے۔

دیکھئے! اس میں زمین وآسمان کی سب چیزیں آجاتی ہیں، قبر والے بھی اس میں آگئے، ان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے مصنف رسالہ یا کوئی اور شخص قطعاً کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب وہ بالکل بے حس ہیں تو بے ہوش کیسے ہوئے، یہ اور بات ہے کہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اور نہ کسی کی چیخ وپکار سن سکتے ہیں، نہ کسی کی حالت کو دیکھ سکتے ہیں، اور اگرچہ کسی کے مارنے یا کاٹنے کا ان کو احساس نہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا اور معاملہ ہے جس کو اپنے معاملہ پر قیاس نہیں کرنا

www.sirat-e-mustaqeem.com

چاہئے اور بحکم اس آیت کو ماننا پڑے گا، کہ ان کو کوئی احساس دیا گیا ہے، کہ وہ عذاب کو محسوس کر سکیں جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بابت گذرا کہ وہ ڈوبتے ہی آگ میں داخل ہو گئے۔

دوسری جگہ فرمایا کہ:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا امْرَأَةَ نُوحٍ وَّامْرَأَةَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَا هُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً وَ قِيْلَ ادْخُلاَ النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ (التحريم : ١٠)

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوح کی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر انکی انہوں نے خیانت کی پس وہ دونوں ان سے [illegible] کے کسی عذاب کو نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا کہ دوزخ میں [illegible] والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔

یہاں بھی صیغہ ماضی کا ہے جیسا کہ گذری ہوئی یا[illegible]ب سوال یہ ہے کہ ان دو عورتوں نے باوجود مردہ اور بے حس ہونے کے یہ [illegible] ہے سنا، اور کیسے آگ میں داخل ہوئیں، اگر چہ دنیا میں ان کا تعلق نہیں، اور ہماری بات نہیں سن سکتے، لیکن:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ (فاطر : ٢٢)

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے۔

پس اس طرح عذاب قبر کو سمجھیں اور یہاں یہ کہنا کہ نوح علیہ السلام اور لوط

www.sirat-e-mustaqeem.com

علیہ السلام کی بیویوں کو یہ حکم قیامت میں ہوگا، تو یہ محض تحریف ہے، اور صیغہ ماضی کو مستقبل کے معنی میں بدلنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں، پس سورۃ زمر کی آیت سے ثابت ہوا کہ پہلے نفخ کے بعد وہ بے ہوش ہو جائیں گے، اگر چہ مردہ ہیں۔ مگر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو احساس حاصل تھا وہ بھی ختم ہو جائے گا، اور کچھ عرصہ بے ہوشی اور بے حسی کے عالم میں رہیں گے، پھر جب دوسرے نفخ کی وجہ سے اٹھائیں گے تو ان کو اس بے حسی میں آرام سے رہنے کی وجہ سے پہلا عذاب یاد نہیں رہے گا، بلکہ حکم الٰہی یہ ہے:۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ (الزمر: ٢٦)

اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ (الرعد: ٣٤)

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَ أَبْقَىٰ (طٰہٰ: ١٢٧)

اور بیشک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور باقی رہنے والا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ (حم السجدة: ١٦)

اور آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے۔

پس اس عذاب کے سامنے کہیں گے کہ ہم تو آرام میں تھے، اور پہلا عذاب جو اس سے ہلکا تھا اس کو یاد نہیں کریں گے۔

ساتواں اعتراض یہ کرتے ہیں کہ کسی نبی نے اپنی امت کو قبر کے عذاب سے نہیں ڈرایا۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

الجواب اولاً:۔اوپر نوح علیہ السلام کی قوم کی بابت آیت گذری کہ وہ ڈبو دیئے گئے اور آگ میں ڈالے گئے، کیا اس عذاب سے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نہیں ڈرایا تھا؟ ضرور ڈرایا تھا۔

ثانیاً:۔نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کو آگ میں جانے کا حکم دے دیا گیا، حالانکہ ابھی تک قیامت نہیں آئی، یقیناً ان کو بھی ان انبیاء علیہم السلام نے اس عذاب سے ڈرایا ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور ہمارا یہ طریقہ نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔اس کا مطلب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام مالک کے حکم سے اس ہونے والے عذاب سے پہلے اپنی قوم کو اس سے ڈراتے تھے۔

ثالثاً: موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ:۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن: ۴۶)

آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔

اسی آیت میں قیامت سے پہلے عذاب کا ذکر ہے جو صور پھونکنے تک جاری رہے گا، فن لغت کے مشہور امام ابن قتیبہ المتوفی ۲۰۰ھ کتاب ''تاویل مشکل القرآن'' ص: ۸۳ میں فرماتے ہیں کہ:

www.sirat-e-mustaqeem.com

''اما قوله : ﴿النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ فانه لم يرد ان ذلک يكون في الأخرة وانما أراد أنهم يعرضون عليها بعد مماتهم في القبور، وهذا شاهد من كتاب الله لعذاب القبر، على ذلک قوله: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَونَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ فهم في البرزخ يعرضون على النار غدوا وعشيا وفي القيامة يدخلون أشد العذاب''

یعنی اس آیت میں آخرت کا عذاب مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہے قبروں میں صبح وشام آگ پر پیش ہوتے ہیں اور یہ کتاب اللہ میں عذاب قبر کے لئے دلیل ہے کیونکہ آیت کا دوسرا حصہ ہے کہ آل فرعون کو قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی وہ برزخ میں (یعنی دنیا اور آخرت کے درمیانی وقت میں) صبح وشام آگ پر پیش ہوتے ہیں اور قیامت کے دن سخت عذاب میں داخل ہونگے۔

اور یہ آیت بتلاتی ہے کہ عذاب قبر کا ذکر اگلے نبیوں کی امتوں میں بھی تھا، اس استدلال پر مصنف رسالہ دو اعتراض کرتے ہیں:۔

اول:۔ یہ کہ اس میں صرف پیش کرنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے آگ کا منظر ہوگا۔ سچ ہے کہ ؎

دروغ گورا حافظہ نہ باشد

کیونکہ صاحب رسالہ سارا زور اس بات پر لگا رہے ہیں کہ قبروں والے

www.sirat-e-mustaqeem.com

بے حس ہیں، ان کو عذاب کرنا عبث ہے، ایسے بے حسوں کے سامنے منظر کیسے آئے گا، اور وہ کیسے خائف ہوں گے، خود جس اونچی عمارت کو کھڑا کیا اپنے ہاتھوں سے اس کو گرادیا۔ والحمدللہ!

ثانیاً: ۔آگ پر پیش ہونا خود عذاب ہے، کیونکہ جہنم کے صرف پانی کا یہ حال ہے کہ:

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ

(الکھف: ۲۹)

اگر وہ فریادرسی چاہیں گے تو انکی فریادرسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا جو چہرے بھون دیگا۔

پس جب جہنم کے پانی کی گرمی اور تیزی اتنی ہے کہ اس کے قریب سے منہ جل جائے گا، تو پھر آگ کا کیا کہنا۔

ثالثاً: ۔ بلکہ یہ ظاہر الفاظ میں تحریف ہے جب کہ الفاظ ہیں کہ وہ خود آگ پر پیش کئے جائیں گے جو کہ صریحاً ان کے مطلب کے خلاف تھا، تو اس کے معنی بدل ڈالے، یہ دیانت داری نہیں، تحقیق نہیں، بلکہ ضل و اُضل کی مثال ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد صرف آل فرعون ہے، جو اشد الکفار تھے، عام کافروں کے لئے حکم نہیں۔

اولاً: ۔ یہ تخصیص خود صحیح نہیں، سب کافروں کا ایک ہی ٹھکانہ ہے یعنی جہنم۔

اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ نُزُلًا (الکھف: ۱۰۲)

ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار رکھا ہے۔

ثانیاً: جب آل فرعون کے لئے یا اَشد الکفار کے لئے مانتے ہو تو پھر آپ کا اصل

www.sirat-e-mustaqeem.com

دعویٰ ھباءً منثورا ہوگیا قیامت سے پہلے قبر میں کوئی عذاب نہیں جب اس کا وجود مان گئے تو آپ کا کلیہ ختم ہوگیا، اور اعتراض بالکل باقی نہ رہا۔

ثالثاً: اگر اشد العذاب اشد الکفار کیلئے ہے، تو مطلق عذاب مطلق کافروں کے لئے ثابت ہوگیا، اس کا انکار محض مکابرہ ہوگا۔

آٹھواں اعتراض کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں قرآن کریم کے خلاف ہیں اور رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کے خلاف کبھی نہیں فرمائیں گے۔

الجواب ہمارا یہ ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان قرآن کریم کے خلاف نہیں ہوسکتا، اور یہ بات بھی ساتھ محقق ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں کیونکہ قرآن کریم میں کہیں اس بات کا انکار نہیں کہ قبر میں عذاب نہیں ہوگا۔ بلکہ ہم نے قرآن کریم سے بھی ثابت کر دیا، لیکن اگر تمہارے قول کے مطابق قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں، لیکن پھر بھی اس کی نفی قطعاً نہیں، اگر کہو گے کہ یہ قرآن کریم پر زیادہ حکم ہے، اور دین کامل ہو چکا ہے، تو یہ اعتراض خود آپ کے لئے مضر ہوگا، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

پہلی مثال

قُلْ لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں

www.sirat-e-mustaqeem.com

کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے، مگر یہ کہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

اب یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتی ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ میرے پاس قرآن کریم کی جو وحی آئی ہے، اس میں صرف چار چیزیں کھانے والے کے لئے حرام کرتا ہوں، مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہوا۔ اب اور کئی چیزیں ہیں جن کو صاحب رسالہ حلال جانتا ہوگا۔ مثلاً کتا، بلا، بھیڑیا، چیتا، شیر، پاخانہ، پیشاب، سانپ، بچھو اور ایسی کئی چیزیں ہیں جب کہ ان کی حرمت صرف حدیث سے معلوم ہوتی ہے، اور صاحب رسالہ کے خیال کے مطابق یہ صریحاً قرآن کریم کے خلاف ہے، اگر کہو گے، کہ قرآن کریم میں ان کو حلال نہیں کہا گیا، لہٰذا یہ حدیثیں بھی اس کے خلاف نہیں، تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں قبر کے عذاب کا انکار نہیں۔ لہٰذا یہ حدیثیں اس کے خلاف نہیں، جیسے وہ زیادتی مانتے ہو، ویسے ہی اسی زیادتی کو سمجھو، حالانکہ اس مثال میں صاف حکم ہے کہ:۔

قُلْ لَّا اَجِدُ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ

(الانعام: ۱۴۵)

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

پھر بھی اگر اس زیادتی کو مانا جائے اور بظاہر ان چار چیزوں کے علاوہ کی حرمت کی نفی ہے تو پھر قبر کے عذاب والی زیادتی یقیناً قابل قبول ہے، کیونکہ اس کی نفی کے لئے کوئی اشارہ بھی نہیں۔

دوسری مثال:۔ارشاد ہے کہ:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء: ۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

اس آیت میں ایک لڑکی یا دو سے زیادہ لڑکیوں کا حصہ مذکور ہے اور پورے قرآن کریم میں کہیں دو لڑکیوں کا حصہ مذکور نہیں، یہاں قید ہے كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ یہ قید سب بتاتے ہیں کہ اس آیت میں دو لڑکیوں کے ورثہ کا کوئی حکم نہیں، اب جو آدمی دو لڑکیاں چھوڑ کر مر جائے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اس مشکل کو حدیث حل کر سکتی ہے، جس میں یہ حکم ہے کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو ان کو ثلثان (دو تہائی) ملے گا، اب یہ حدیث کا حکم قرآن کریم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس کے خلاف دوسرا حکم نہیں، اس طرح عذاب قبر کے بابت روایتیں قرآن کریم کے خلاف نہیں۔

تیسری مثال:۔قرآن کریم میں محرمات کا ذکر ہے، یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنا

www.sirat-e-mustaqeem.com

حرام ہے ان کے ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ (النساء: ۲۴)

ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں اکٹھا رہنا جائز ہوگا؟

حالانکہ قرآن کریم میں جو محرمات بیان ہوئی ہیں ان میں دونوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، مگر چونکہ زائد حکم ہے اور اصل کے خلاف نہیں اس لئے امت اس کو مانتی ہے، اسی طرح اس مسئلہ کو سمجھیں ایسی اور مثالیں بھی ہیں، مخالفت اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب قرآن کریم میں عذاب قبر کا انکار ہو، اور حدیث اس کو ثابت کرتی ہو۔

نواں اعتراض یہ کرتے ہیں کہ جو مسئلہ قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے لاکھوں روایات بھی اس کو رد نہیں کر سکتیں۔

الجواب یہ کسی مسلمان کا مذہب نہیں کہ قرآن کریم روایات سے رد ہوسکتا ہے، اور کوئی صحیح حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں ہے اس مسئلہ میں بھی احادیث قرآن کریم کے خلاف نہیں، خلاف اس وقت ہوتیں جب کہ قرآن کریم میں عذاب قبر کا انکار ہو، بلکہ قرآن کریم سے اس کا زبردست ثبوت ملتا ہے جس کا کچھ بیان ہوا، اور مزید بیان ہوگا، تاہم اگر بفرض محال قرآن کریم میں عذاب قبر کا کوئی ذکر نہیں تو اس کا انکار بھی نہیں، لہٰذا جن احادیث میں عذاب قبر کا ذکر ہے وہ قرآن کریم کے خلاف نہیں۔

دسواں اعتراض کہتے ہیں کہ مگر ہر روایت کو حضور کے فرمودہ سمجھنے کا خیال ہرگز

www.sirat-e-mustaqeem.com

صحیح نہیں، ورنہ کتب اسماء الرجال کیوں وجود میں آئیں۔

الجواب یہ بھی کوئی نہیں کہتا کہ ہر روایت قابل قبول ہے بلکہ اسماء الرجال کی رو سے صحیح اور غیر صحیح کا فرق ہوتا ہے اور بحمد اللہ قبر کے عذاب کے بارے میں پچاس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں ہیں۔ بعض میں عذاب قبر کے برحق ہونے بعض میں اس کی کیفیت بعض میں اس سے پناہ مانگنے اور بعض میں ایسے کاموں کا ذکر ہے جو عذاب قبر کے موجب ہیں، جن میں اکثر صحیح ہیں، اور کچھ حسن درجہ کی ہیں، بعض میں کچھ کلام ہے وہ شہادت اور تائید کے لئے کافی ہیں اتنی ساری احادیث کو جھٹلانا یا رد کرنا عقل کے خلاف ہے، اور وہ احادیث قرآن کریم کے خلاف بھی نہیں ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

گیارہواں اعتراض کہتے ہیں کہ جو احادیث کا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے تمام کے تمام صحابہ کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ تحریری ثبوت کچھ ہیں ورنہ جس طرح صحابہ نے قرآن کریم جمع کر کے نقل کر کے اسلامی ممالک میں پھیلایا تھا، اسی طرح احادیث کو بھی جمع کر کے تمام ملک میں پھیلایا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ حضور ﷺ پر کچھ نازل نہیں کیا گیا۔

الجواب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حدیثیں لکھتے تھے چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن کریم کے علاوہ ایک صحیفہ بھی تھا، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں لکھتے تھے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے، انہوں نے اپنے تلمیذ ہمام بن منبہ المتوفی ۱۰۱ یا ۱۰۲ھ کو حدیثوں کا ایک مجموعہ لکھوایا، جو کہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء

www.sirat-e-mustaqeem.com

حیدر آباد دکن میں چوتھی بار شائع ہوا۔

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حدیث کی کتاب تھی، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سو احادیث لکھی ہوئی تھیں، نافع تابعی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے پاس احادیث لکھتے تھے، وہب بن منبہ تابعی نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیثوں کا مجموعہ لکھا تھا، عروہ بن زبیر نے سب سے پہلے غزوات کے بارے میں حدیثیں جمع کی تھیں، امام زہری سب حدیثیں لکھتے تھے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے سب جگہوں پر حدیثیں لکھ کر جمع کرنے کا حکم دیا تھا، اسی طرح تبع تابعین میں امام سفیان بن عینیہ المتوفی ۱۹۸ھ کا جزمسند مشہور ہے، جو ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے، ایسی اور مثالیں بہت ہیں اس سے مصنف کا یہ قول بھی غلط ثابت ہوا کہ دوسو سال کا زمانہ گذر گیا، تو لوگوں کو خیال آیا کہ حضور کے خیالات بھی جمع کر دیئے جائیں، بلکہ حدیثیں لکھنے کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔

ثانیاً:۔ یہ کہنا کہ قرآن کریم کے سوا رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ نازل نہیں ہوا خود قرآن کریم اس کی تکذیب کرتا ہے۔

مثال اول:۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (البقرہ: ۱۴۲)

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ

www.sirat-e-mustaqeem.com

جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قبلہ سے پہلے کوئی دوسرا قبلہ تھا اب وہ پہلا قبلہ کس کے حکم سے تھا، رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کوئی خاص حکم نہیں دے سکتے تھے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحیٰ اِلَیَّ (الاحقاف: ۹) اور یقیناً یہ حکم اللہ کی طرف سے تھا۔

اب بتایئے کہ پہلے قبلہ کا یہ حکم کس آیت قرآنیہ میں مذکور ہے؟ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کے علاوہ اور احکام بھی آئے ہیں ورنہ قرآن کریم کو جھٹلانا لازم آئے گا، جو کہ کفریہ عقیدہ ہے۔

مثال دوم

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ (الانفال: ۷)

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آئے۔

اس آیت میں یہ خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ایک وعدہ کیا تھا۔ مگر وہ وعدہ کسی آیت میں مذکور نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ بھی اور احکام وحی کے ذریعہ آتے تھے۔

مثال سوم:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا

www.sirat-e-mustaqeem.com

نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ

(التحریم: ۳)

اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی، پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے، پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ ﷺ کو کس نے دی، کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی کس سورت یا آیت میں اپنے نبی ﷺ کو ان کے راز ظاہر ہونے کی خبر دی، اب صاحب رسالہ کے لئے صرف دو راہیں ہیں، یا تو قرآن کریم کے علاوہ بھی دوسری وحی کا اقرار کرے یا پھر قرآن کریم کا ہی انکار کرے، ایسی اور بھی مثالیں بہت ہیں۔

بارہواں اعتراض کہتے ہیں کہ خود امام بخاری کے حالات میں لکھا ہے کہ تین لاکھ یا چار لاکھ حدیثیں جمع کیں، مگر جب جانچ پڑتال کرنی شروع کی تو صرف سات ہزار یا کچھ زیادہ حدیثیں قابل اعتماد ٹھہریں، انہوں نے جو کچھ اصول مقرر کئے اس اعتبار سے جو حدیث ٹھیک اتری اس کو صحیح سمجھا۔

الجواب یہ کہنا صحیح نہیں کہ امام بخاری نے صرف وہ حدیثیں صحیح سمجھیں جو اپنی جامع صحیح میں جمع کی ہیں، خود ان کا اپنا فرمان ہے کہ:

ما ادخلت فی کتابی الجامع الا ما صح و ترکت من

www.sirat-e-mustaqeem.com

الصحاح لحال الطول"

ترجمہ:۔یعنی میں نے اپنی جامع صحیح میں صرف وہ حدیثیں جمع کی ہیں جو صحیح ہیں اور انکے علاوہ طوالت کے سبب سے بہت سی صحیح حدیثیں میں نے چھوڑ دی ہیں۔(تاریخ بغداد ج ۲،ص:۹)

ثابت ہوا کہ امام موصوف اس کتاب کے علاوہ دوسری بہت سی حدیثوں کو بھی صحیح مانتے ہیں۔

مقدمہ فتح الباری ص:۷ میں امام موصوف سے مروی ہے کہ:

"لم اخرج فی هذا الکتاب الا صحیحا وماترکت من الصحیح" اکثر

ترجمہ:یعنی میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں جمع کی ہیں اور جو احادیث صحیح چھوڑ دی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ:

"احفظ مائة الف حدیث صحیح" (مقدمه فتح الباری ص:۹۴۸۷)

ترجمہ:۔میں یعنی ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد رکھتا ہوں۔

تیرہواں اعتراض کہتے ہیں کہ حالانکہ ان کو چاہئے تھا کہ قرآن مجید کو کسوٹی مقرر فرماتے تو اس مضمون کو باطل کر دینے والی روایتیں ہرگز کتاب میں نہ آتیں۔

الجواب آج تک اہلِ علم اس پر متفق رہے ہیں، کہ صحیح بخاری کی کوئی حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں ہے، مصنف رسالہ نے یہ نیا قاعدہ نکالا ہے بلکہ امام

www.sirat-e-mustaqeem.com

موصوف نے اپنی صحیح کے ابواب میں جا بجا آیت قرآنیہ کو ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کریم کے مضمون کو معاذ اللہ باطل کر دیتی ہے، بظاہر جہاں کہیں کچھ اختلاف ہے تو اس کے رفع کرنے کے لئے ان کے مابین تطبیق وتوفیق دی جاسکتی ہے۔ لہٰذا وہ کوئی تعارض نہیں۔ اس قسم کا اختلاف خود قرآن کریم کی بعض آیات میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر غور کرنے سے کوئی اختلاف نہیں رہتا اور ان کے درمیان تطبیق وتوفیق ہو جاتی ہے، لہٰذا اس قسم کے اختلاف کو تعارض نہیں کہا جاتا، تعارض وہ ہے کہ ایک کے قبول کرنے سے دوسرے کا رد کرنا لازم آئے۔ قرآن کریم کے متعلق کچھ مثالیں گزریں۔

مزید سنئے:۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُوْلُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِئَةٌ يَقُوْلُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ

(النساء : ۷۸:۷۹)

اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، انہیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، انہیں کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کی قریب بھی نہیں، تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی

www.sirat-e-mustaqeem.com

طرف سے ہے۔

اب بظاہر یہاں اختلاف موجود ہے پہلی آیت میں ہے کہ ہر بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور دوسری آیت میں ہے کہ ہر برائی تمہارے نفس کی طرف سے ہے، مگر حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ مطلب یہ ہے کہ ہر برائی اور بھلائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اور ہر برائی انسان کے اپنے نفس کی شامت اور اس کی بری کمائی کا نتیجہ ہے، اسی طرح صحیح احادیث میں یا حدیث اور قرآن کریم میں کوئی ایسا تعارض نہیں جو ایک کے قبول کرنے سے دوسرے کا رد لازم آئے۔ بلکہ غور کرنے سے کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ صرف ظاہری اختلاف دیکھ کر اس کو رد کرنا عموم بلوی کو مستلزم ہے، اور خود آیات کو بھی معاذ اللہ رد کرنا پڑے گا۔

چودھواں اعتراض کہتے ہیں کہ مثلاً ''مردے سنتے ہیں'' یہ روایت قرآن کریم کے سراسر خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ

(النمل: ۸۰)

بیشک آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں۔ جبکہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے ہیں۔

آیت بالکل صریح ہے کسی تاویل وتوجیہ کی محتاج نہیں، مگر محدثین ایسی روایتیں لاتے ہیں جس میں کفار بدر سے (جبکہ وہ مر چکے تھے) نبی ﷺ کے خطاب کرنے کا ذکر ہے، اگرچہ عائشہ صدیقہ نے اس بات سے انکار کیا، اور دلیل میں یہ آیت بھی پیش کی:۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (فاطر : ۲۲)

اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

الجواب اولاً:۔ اس حدیث سے کوئی محدث یہ استدلال نہیں کرتا کہ مردے سنتے ہیں، ان پر یہ بہتان ہے بلکہ محدثین کہتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ ہے اور خرق عادت ہے۔

ثانیاً: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انکار نہیں کیا بلکہ ثابت کیا اور وضاحت کر کے ایک وہم کو دور کیا، چنانچہ صحیح بخاری ص:۱۸۳، ج:۱ میں دو روایتیں ہیں:۔

(۱) پہلی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے:۔

قال اطلع النبی ﷺ علی اهل القلیب فقال وجدتم ماوعد کم ربکم حقافقیل له لو تدعوا امواتا قال ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون

یعنی نبی ﷺ نے قلیب بدر والوں کی طرف جھانکا اور فرمایا کہ تم نے اس کو جس کا تمہارے رب نے وعدہ کیا حق پایا ہے۔ کہا گیا کہ آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔

(۲) اور دوسری روایت اس طرح ہے:۔

عن عائشة قالت انما قال النبی ﷺ انهم لیعلمون الأن ان ما کنت اقول لهم حق و قد قال الله: ﴿انک لا تسمع الموتی﴾

www.sirat-e-mustaqeem.com

یعنی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ اب جان رہے ہیں کہ میں جو ان سے کہتا تھا وہ سچ تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آپ مردوں نہیں سنا سکتے۔

اب دونوں روایتوں پر غور کریں، امام بخاری نے دوسری روایت سے تشریح کر دی، کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردے سنتے رہتے ہیں بلکہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ اس وقت جان رہے ہیں یعنی کہ یہ خاص معجزہ کی صورت ہے کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے، اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پہلی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ کہ وہ جواب نہیں دے سکتے، اگر مردے سنتے ہیں تو جواب کیوں نہیں دیتے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں، نہ مردوں کا سننا ثابت کرتی ہے بلکہ ایک خاص واقعہ اور معجزہ کا ذکر ہے اور ایسی بات سے مردوں کے سننے پر استدلال کرنا صحیح نہیں اور نہ کسی محدث نے استدلال کیا ہے، اور مصنف کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ یہ روایت ان روایتوں میں سے ہے جو کہ قرآن کریم کے مضمون کو باطل کر دینے والی ہیں، معاذ اللہ!

محدثین یہاں قرآن کریم میں کوئی تاویل نہیں کرتے، بلکہ وہی کہتے ہیں جو ہم نے لکھا ہے، ہاں بعض علماء آیت میں تاویل کرتے ہیں جیسا کہ مصنف رسالہ نے ذکر کیا ہے، مگر محدثین اس قسم کی تاویلیں قطعاً نہیں کرتے، بلکہ ہم ایسی تاویلوں کو صحیح نہیں مانتے۔

پندرہواں اعتراض کہتے ہیں کہ ارشاد ہے کہ:

﴿یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعاً..... الخ﴾

الجواب اولاً: اس آیت میں سب کے اکٹھے اٹھانے کا ذکر ہے، اس کے

www.sirat-e-mustaqeem.com

خلاف نہ کسی آیت میں ہے، نہ حدیث میں بلکہ وقتی طور پر کسی ایک کو سوال کے لئے اٹھانا اور بات ہے، جیسا کہ پہلے تفصیل سے گذرا

ثانیاً: ۔ اس مضمونِ قرآنی میں یہ وضاحت ہے کہ قیامت کے روز جن کو مشرکین پکارتے ہیں وہ انکار کریں گے کہ ہمیں کوئی پتہ نہیں کہ تم کس کو پکارتے تھے، سو واقعی اس پر ہمارا ایمان ہے کہ مردے کسی کی پکار نہیں سنتے، اور کسی حدیث صحیح میں مردے کے سننے کا ثبوت نہیں، جو ذکر کرتے ہیں وہ سب قواعد کے لحاظ سے غیر ثابت ہیں، اور صحیح بخاری والی روایت ان کے خلاف نہیں نہ اس میں مردوں کے سننے کی تصریح ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

سولہواں اعتراض کہتے ہیں کہ افسوس کہ ہمارے محدثین نے قرآن پاک کو بالکل نظر انداز کر دیا، صرف اپنے اعتماد پر قرآن مجید کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا، جب ان کی روایت کردہ احادیث خصوصاً پیشگوئیاں عوام میں مشہور ہو گئیں، تو عام لوگوں نے ان کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کر لیا، اور قرآن کریم میں غور و خوض کرنے کا جذبہ مفقود ہو گیا۔

الجواب یہ محض بہتان اور اتہام ہے بلکہ محدثین قرآن و حدیث دونوں کو اپنے لئے مشعلِ راہ اور دستور اور اصل و قانون تسلیم کرتے ہیں، اور حدیث کو قرآن کریم کی تفسیر سمجھتے ہیں، حدیث کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھنا ضروری جانتے ہیں لیکن پہلے جرح و تعدیل کی منزلوں میں ان کو پرکھتے ہیں، جو صحیح ثابت ہوتی ہے پھر اس کو مانتے ہیں، اور وہ بحمد اللہ کبھی قرآن کریم کے خلاف نہیں ہو سکتی، بلکہ جب اس کو قبول کرنے سے قرآن کریم کا رد لازم آ رہا ہو، تو ایسی صورت میں اس روایت کو محدثین موضوع

www.sirat-e-mustaqeem.com

قرار دیتے ہیں۔ جیسے شرح نخبہ، ص: ۵۷ میں مذکور ہے۔

لیکن جو حدیث بخاری کی ہے یا عذاب جہنم کی حدیثیں ہیں وہ ایسی نہیں ہیں، کہ جن کے قبول کرنے سے قرآن کریم کا رد لازم آئے۔ جیسا کہ بیان ہوا اور ایسی روایتیں جو صریح قرآن کریم کے خلاف ہوتی ہیں۔ وہ قواعد محدثین کی رو سے بھی ضعیف اور غیر صحیح ہوتی ہیں، اور جو صحیح ثابت ہوتی ہے وہ کبھی قرآن کریم کے خلاف نہیں ہے۔

نیز حدیث کا علم حاصل کرنے سے قرآن کریم میں غور و خوض کرنے کا جذبہ مفقود نہیں ہوا، بلکہ زیادہ شوق ہوا، اور قرآن مجید کی اصل اور صحیح تفسیر سامنے آئی، ہاں یہ ضرور ہوا کہ اہل الرائی اور نفس پرستوں کا حیلہ ختم ہوا، جو قرآن کریم کو اپنی خواہشوں کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس لئے امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ''

(سنن دارمی ج ۱، ص: ۶۷)

ترجمہ: یعنی حدیثوں والے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو دوسروں سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

سترہواں اعتراض کہتے ہیں کہ لوگ سمجھنے لگے کہ حدیث فرمان رسول ہے اور رسول سے زیادہ کوئی ماہر قرآن نہیں ہوسکتا، یہ بات تو بالکل صحیح ہے۔ کہ رسول سے زیادہ قرآن کے نکات سے کوئی واقف نہیں ہوسکتا، مگر ہر روایت فرمان رسول ہی ہے یہ ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ جو روایت قرآن کریم کے صریح خلاف ہے وہ فرمان رسول نہیں ہوسکتا، رسول کا کام خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہچانا ہے۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

الجواب اولاً:۔ الحمدللہ! مان لیا کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی قرآن کریم کو نہیں جانتا، جب یہ بات ہے تو اس قسم کی تفسیر ہونا ضروری ہے، تاکہ امت گمراہی سے بچے، اور کسی کو قرآن کریم میں اپنی رائے کو استعمال کرنے کا موقعہ نہ ملے، حدیث کی محبت اور اس کو تسلیم کرنے کے لئے یہی سب سے بڑی دلیل ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صحیح حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً: واقعی ہر روایت نبی ﷺ کا قول نہیں ہوسکتا، اسی لئے محدثین نے قواعد بنائے ہیں، لیکن جو بات صحیح سند سے ثابت ہو، اس کو تسلیم کرنا پڑے گا، کہ یہ آپ ﷺ کا قول یا فعل ہے۔

ثالثاً:۔ قرآن کے خلاف ہونے کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے اس لحاظ سے کوئی صحیح حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں ہے۔

لہٰذا ہر ظاہری اختلاف کو دیکھ کر حدیث کو رد کرنے کی جرأت کرنا صحیح نہیں، ورنہ ایسا اختلاف تو قرآن میں بھی پایا جاتا ہے، جیسا کہ بیان ہوا۔

رابعاً: رسول اللہ ﷺ کا صرف یہ کام نہیں کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں بلکہ آپ ﷺ کا یہ بھی منصب ہے کہ اس کا مطلب اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی لوگوں کو سمجھائیں جیسا کہ ارشاد ہے:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

(النحل: ۴۴)

اور یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

پس اس کی تفسیر اور بیان کا اس وقت تک بلکہ قیامت تک باقی اور محفوظ رہنا ضروری ہے، تاکہ لوگ قرآن کریم پر صحیح طور پر عمل کریں۔ اس آیت سے واضح ہوگیا کہ حدیث سے ہٹ کر قرآن کریم کی تفسیر کرنا گمراہی کا باعث ہے۔

اٹھارہواں اعتراض کہتے ہیں اس میں کسی قسم کی زیادتی کرنا ان کے منصب کے خلاف ہے، مثلاً قرآن کریم میں جگہ جگہ اس زندگی کے بعد موت کا طاری رہنا بیان فرمایا گیا ہے، قیامت سے پہلے زندہ کرنے کا حکم اس معبود نے ہرگز نہیں دیا۔

الجواب زیادتی الفاظ کی ہو یا مضمون میں ایسی زیادتی ہو جو کہ اصل کے خلاف ہو تو وہ باطل ہے اور قرآن کریم باطل زیادتی سے محفوظ ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (حم السجدة : ۴۱، ۴۲)

یہ بڑی باوقعت کتاب ہے جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔

مگر نبی ﷺ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا شارح اور بیان کرنے کا منصب عطا کیا ہے اور آپ ﷺ نے اگر کوئی ایسی بات کہی یا فیصلہ دیا جو قرآن کریم کے خلاف نہیں تو وہ فرمان اور فیصلہ برحق ہے۔ اور آپ ﷺ کا فرمان کبھی بھی قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا چنانچہ قرع نعال (پاؤں کی آواز) اس وقت سننا قرآن کریم کے خلاف نہیں، کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی الفاظ ہیں:

اتاه ملكان فيقعدانه فيقولان ماتقول فى هذا الرجل

www.sirat-e-mustaqeem.com

محمد (صحیح بخاری : ۱ : ۱۷۴، باب ماجاء فی عذاب القبر)

یعنی دو فرشتے آکر اس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ اس شخص یعنی محمد ﷺ کے متعلق کیا کہتا تھا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس وقت اس میں روح لوٹائی جاتی ہے یہ ایک لحہ کے لئے ہے جو عام اور جنرل موت کے خلاف نہیں، جس کی مثالیں ہم نے قرآن کریم سے بھی ذکر کیں، اگر وہ آیتیں اس آیت:۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ (المومنون: ۱۶)

اس کے بعد پھر تم سب مر جانے والے ہو، پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔

کے خلاف نہیں۔ تو یہ حدیث بھی اس کے خلاف نہیں، یہ عارضی اور تھوڑی دیر کے لئے زندگی ہے اور اس وقت پاؤں کی آہٹ سننا یہ نزاع سے خارج ہے چونکہ وہ لحہ جس میں وقتی طور پر ان میں جان آئی اس دوران آواز سننا بعید نہیں، اور کھانے پینے کی حاجت تب ہو کہ جب ان کو کچھ وقت کے لئے زندگی دی جائے، لیکن ایسا نہیں ہے لہٰذا یہ سوال بھی صحیح نہیں ہے۔

انیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ سزا میں بار بار مرنا اور بار بار زندہ ہونا اور قیامت تک اس کے جسم کا بننا، بگڑنا، مردہ جسم میں روح کا داخل ہونا جنت اور دوزخ کا نظارہ کرنا یہ سب کچھ تسلیم کر لینا، جو کہ سراسر قرآن کریم کے خلاف ہے۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

الجواب یہ اعتراض اگر برحق ہے تو قرآن کریم پر بھی وارد ہوسکتا ہے، کیونکہ ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوا بِاٰیَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَاراً کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَا هُمْ جُلُوْداً غَیْرَهَا لِیَذُوقُوْا الْعَذَابَ

(النساء: ۵۶)

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دینگے تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔

اب یہاں بھی بیان ہے کہ ایک چمڑی جل جائے گی، پھر دوسری دی جائے گی حالانکہ چمڑی کے جل جانے تک انسان مرہی جاتا ہے، پھر دوسری چمڑی دینے کے معنی اس کو دوسری زندگی ملی، پھر وہ بار بار مرتا اور جیتا رہے گا، یعنی نہ ہمیشہ زندہ ہے اور نہ ہمیشہ مردہ۔

اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیَا (الاعلیٰ: ۱۳)

جہاں پھر نہ وہ مرے گا نہ جیئے گا۔

اب یہاں بھی اعتراض کرو گے کہ یہ بھی قرآنی قاعدہ کے خلاف ہے۔

ثانیاً:۔ مرجانے کے بعد اس میت کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا، نہ کسی کی پکار سنتا ہے نہ حالت دیکھ سکتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا واسطہ رہتا ہے۔ جیسا کہ شہیدوں کے بارے میں فرمایا:

www.sirat-e-mustaqeem.com

وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ٥ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ١٦٩۔١٧١)

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں اس پر کہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے، وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا۔

قارئین! غور فرمائیں کہ شہید وہ ہے جو جان سے مارا جائے اس کی جان نکل گئی، اس کی آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، زبان بولنے سے، دل سمجھنے سے بلکہ ہر ایک عضو اپنے کام سے بیکار ہو جاتا ہے، اس کو کفن دے کر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، اور قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور پھر میت کے سارے احکام اس پر جاری ہوتے ہیں، مثلاً اس کی بیوی عدت میں بیٹھتی ہے عدت کے بعد اس کو دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اس کی اولاد یتیم کہلاتی ہے، اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے، اس

www.sirat-e-mustaqeem.com

کے لئے دعا مغفرت کی جاتی ہے اور عزیز و اقارب ایک دوسرے کے پاس تعزیت کے لئے آتے ہیں، اب ایسی میت کو کیسی خوشی اور غم کا کیا احساس ہوسکتا ہے؟ یا وہ کھا پی سکتا ہے یا وہ کسی زندہ کی خبر سن سکتا ہے؟

لیکن قرآن کریم تصریح سے کہتا ہے کہ ان کو رزق ملتا ہے یعنی وہ کھاتے اور پیتے ہیں اور وہ دنیا والے لوگ جو ان سے ملے بھی نہیں ان کی حالت سن کر خوش ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ غم ہے۔

اب سوال ہے کہ ان بے حس لوگوں کو ان چیزوں کا احساس کیسے ہوا؟ اب صاحب رسالہ قرآن کریم پر بھی اعتراض کریں کہ یہ نامعقول بات ہے اور قرآنی قواعد کے خلاف ہے ورنہ صرف یہ سبب حدیث پر اعتراض کرنے کیلئے صحیح نہیں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ دنیا کے ساتھ میت کا تعلق نہیں رہتا چاہے ویسے مرجائے یا قتل ہوجائے، دنیا سے اس کو کوئی تعلق نہیں رہتا نہ سن سکتا ہے نہ کسی بات کا اس کو احساس ہوسکتا ہے، نہ کھاتا نہ پیتا نہ بولتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہے احساس دلائے دلاسکتا ہے، جس طرح عذاب کرنا چاہے، کرسکتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سن کر اس پر ایمان لانا چاہئے، ایمان بالغیب کا حکم ایسی باتوں کے لئے ہے اور یہ دیانت داری نہیں ہے کہ ایک بات کو بہانہ بنا کر حدیث کو رد کیا جائے، اور وہی بات قرآن میں مانی جائے، اگر یہی وجہ حدیث کے رد کرنے کی ہے تو دشمنانِ اسلام ان ہی چیزوں کی بناء پر قرآن کریم پر اعتراض کرتے ہیں، اور لوگوں کو شبہات میں ڈالتے ہیں صاحب رسالہ نے ان کے لئے راہ ہموار کی ہے اور یہ بھی انصاف نہیں کہ ایسی باتوں کی بناء پر حدیث کو قرآن کریم کے خلاف کہا

www.sirat-e-mustaqeem.com

جائے اگر یہ بات صحیح ہے تو جو لوگ ایسی باتوں کی بناء پر قرآن کریم کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف کہتے ہیں تو ان کی بات بھی صحیح ہو جائے گی۔ گویا کہ حدیث کو اعتراض کا موقعہ بنا کر قرآن کریم پر اعتراض کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔

لہٰذا اسلامتی کا راستہ یہی ہے کہ یہ اعتراض صحیح نہیں۔ جو کچھ قرآن کریم اور صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے ان پر ایمان رکھا جائے یہاں عقل کا گھوڑا لنگڑا ہو جاتا ہے اور سوائے رضا و تسلیم کے کوئی اور چارہ کار نہیں رہتا ہے۔

بیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ ہر ایک کو یہی ہدایت دی گئی کہ قیامت کے دن سے دنیا والوں کو خوف دلا دیں، قرآن کریم میں جن جن پیغمبروں کے حالات بیان کئے گے وہاں قیامت کے ہی دن سے ڈرنے کا تذکرہ ہے خود نبی کریم ﷺ کو بھی یہ حکم فرمایا اب کسی کی عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ نے عذاب قبر سے ڈرنے کا حکم فرمایا۔

الجواب رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے ڈرایا اور اس سے قبل مقدمات سے بھی ڈرایا اور قبر کا عذاب اس کا پیش خیمہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے:۔

وعن عثمان أنه كان إذا وقف على قبر بكى حتى يبل لحيته فقيل له تذكر الجنة والنار فلا تبكي و تبكي من هذا فقال إنّ رسول الله ﷺ قال إن القبر أول منزل من منازل الآخرة فإن نجى منه فما بعده ايسر منه وإن لم ينج منه فما بعده أشد منه (الحديث رواه الترمذى فى كتاب الزهد رقم الحديث : ٢٣١٥ و ابن ماجة فى كتاب المزهد، باب ذكر القبر والبلى رقم الحديث: ٤٢٦٦)

www.sirat-e-mustaqeem.com

یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے تھے کہ انکی داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ پھر آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت اور جہنم کو بھی یاد کرتے ہیں تو اتنا نہیں روتے، اس قبر پر اتنا کیوں روتے ہیں، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا تو آگے اس کے لئے آسانی ہے اور جس نے اس سے نجات نہیں پائی تو اس کے لئے آگے اور سختی ہے۔

اور سورۂ مؤمن کی آیت گذری کہ:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ (المؤمن: ۴۶)

آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔

اکیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ آپ کی زبان مقدس سے قرآن مجید کے خلاف کوئی بات کس طرح نکل سکتی ہے غور کرنے کی بات ہے۔

الجواب اولاً: یہ بات بار بار بیان ہو چکی ہے تو بار بار اس کا اعادہ کرنا فضول ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ قرآن کریم کے خلاف نہیں ہے۔

ثانیاً: صاحب رسالہ نے پوری آیت نہیں لکھی، پورا مضمون اسی طرح ہے:۔

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ

www.sirat-e-mustaqeem.com

وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (المومنون: ۹۹۔۱۰۰)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے، کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، اس کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک۔

اب آیت کے اس مضمون سے واضح ہے کہ دنیا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، نہ یہاں آسکتے ہیں اور نہ کسی سے بات کر سکتے ہیں، نہ کسی کی بات سن سکتے ہیں لیکن اس میں یہ انکار نہیں کہ وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کوئی خطاب کرے یا احساس دلائے یا عذاب کرے یا مہربانی کرے لہٰذا یہ آیت آپ کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

بائیسواں اعتراض فرماتے ہیں کہ بندے حضور کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔[واعاد فیه الروح] تعجب ہے راوی پر اور حیرت ہے قبول کرنے والے پر پروردگار تو فرماتے ہیں:۔

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ (النمل: ۸۰)

اور بندے رسول کی زبان سے کہلائیں: [ما انتم باسمع منهم]

رب تو فرمائے:

ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ تُبْعَثُوْنَ

(المؤمنون: ۱۵۔۱۶)

www.sirat-e-mustaqeem.com

اور بندے ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ مردہ قبر میں جاتے ہی زندہ ہو جاتا ہے، اور قیامت تک عذاب وثواب سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے۔

الجواب حدیث میں یہ الفاظ نہیں کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا بلکہ وہ سوال کے لئے ایک عارضی زندگی ہے جس کے لئے ہم نے قرآن کریم سے چند مثالیں پیش کیں۔ لہٰذا یہ کوئی مخالفت نہیں، اسی طرح حدیث میں بھی نہیں کہ زندہ ہو کر دنیا سے ان کا تعلق رہے گا، بلکہ وہیں قبر میں اللہ تعالیٰ جو چاہے ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے، لہٰذا یہ کوئی منافات نہیں، یہ تین دفعہ زندگی نہیں معروف زندگیاں دو ہیں، یہ عارضی اور کچھ لمحہ کے لئے زندگی ہے، بہر حال قرآن کریم و حدیث دونوں کے نظریئے صحیح ہیں، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں۔

تئیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ اگر چہ زبان سے احادیث کا درجہ قرآن کریم کے بعد تسلیم کرتے ہیں مگر عملاً حدیث پر ہی فتویٰ دیتے ہیں ذرا سوچئے کہ جو مسئلہ قرآن کریم میں صراحۃً بیان کر دیا گیا، اس کے خلاف فرمان رسول کس طرح ہو سکتا ہے۔

الجواب یہ محض بہتان ہے محدثین رحمہم اللہ کبھی کسی حدیث کو بغیر تحقیق کے قبول نہیں کرتے، پہلے اس کی سند اور متن کی اچھی طرح چھان بین کرتے ہیں پھر جب صحیح پاتے ہیں تو اس کو قبول کر لیتے ہیں اور بحمد اللہ جو احادیث ان کے قواعد کی رو سے صحیح ہوتی ہیں وہ ہرگز قرآن کریم کے خلاف نہیں ہوتیں، جہاں بھی تھوڑا بہت اختلاف ہوتا ہے وہ رفع ہو سکتا ہے، لیکن مصنف رسالہ کی طرح اگر ہر اختلاف کو لیا جائے تو پھر قرآن کریم کی بھی کئی آیتیں [illegible]، جیسا کہ مثالوں میں گذرا۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

چوبیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ تبلیغ سے اور بھی بہت سے باتیں ایسی مل جاتی ہیں جو قرآن مجید کے خلاف ہیں مثلاً خروج دجال، نزول مسیح، ظہور مہدی وغیرہ ان باتوں کے متعلق قرآن مجید میں کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا، مگر بندوں نے ایسے ایسے افسانے گھڑے کہ سننے والے کی عقل دنگ رہ جائے، قرآنی ہدایت کے سراسر خلاف۔

الجواب اولاً خروج دجال، نزول مسیح اور ظہور مہدی کا قرآن کریم میں کہیں انکار نہیں، پھر مخالفت کا الزام غلط ہے، ان تینوں مسائل کی احادیث بے شمار ہیں جن کے انکار کی جرأت دیانت کے خلاف ہے، اور قرآن کریم میں کہیں اس کی نفی نہیں، اس طرح زائد باتیں جو قرآن کریم کے خلاف نہیں ان کے ماننے پر آپ بھی مجبور ہیں۔ جیسا کہ اوپر مثالیں گذریں۔

ثانیاً:۔ نزول مسیح کے بابت قرآن کریم میں ذکر ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (الزخرف: ٦١)

اور یقیناً عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام قیامت کی نشانی اس وقت ہو سکتے ہیں جب کہ وہ دنیا میں آئیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے بھی موجود تھے، پھر رسول اللہ ﷺ کے آنے کے بعد آپ کی امت کو بتلایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے آنے کی نشانی ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اب تک فوت نہیں ہوئے ورنہ مرجانے والا دنیا میں واپس نہیں آسکتا، جیسا کہ آیت گذری:۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المؤمنون: ١٠٠)

ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن

www.sirat-e-mustaqeem.com

تک۔

اسی طرح دوسری جگہ ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ

(النساء: ۱۰۹)

اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے۔

اس آیت نے بتلا دیا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام موجود ہیں اور دنیا میں آئیں گے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث بیان کرتے ہوئے استدلال کے طور پر اس آیت کو پیش کیا۔

(مشکوۃ ص: ۴۷۱ بحوالہ بخاری و مسلم)

الغرض ان تینوں مسئلوں میں قرآن کریم نے کوئی انکار نہیں کیا لہٰذا تسلیم کرنا اس کے منافی نہیں۔

پچیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ دجال کے فتنے سے ہر نبی نے ڈرایا، مگر ایک بات کسی نبی نے نہیں بتائی وہ میں تم کو بتاتا ہوں، دجال کانا ہے، اور اللہ کانا نہیں، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اس روایت پر نظر کیجئے حضور اکرم ﷺ کا ہر نبی کے زمانہ میں موجود رہنا بلکہ حاضر و ناظر رہنا صراحۃً ثابت ہے ہر نبی نے مجمع و تخلیہ میں اپنی امت کو ڈرایا اور دجال کا کانا ہونا نہیں بتلایا۔

الجواب اس میں کونسی بات ہے جو قابلِ اعتراض ہے مخالفت برائے مخالفت اور

www.sirat-e-mustaqeem.com

بات ہے۔ایک بات جو پہلے انبیاء علیہم السلام نے نہیں بتلائی اور رسول اللہ ﷺ نے بتائی تو اس میں کون سی مشکل بات ہے، رسول اللہ ﷺ نے میراث اور ترکہ کے مسائل بتلائے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، مگر اگلے نبیوں میں سے کسی سے منقول نہیں، نہ قرآن کریم نے بتایا نہ انجیل نے، نہ توریت نے، اور نہ زبور نے، تو یہاں بھی مصنف رسالہ تعجبا یہ کہے گا، کہ کسی نبی نے بات نہیں کہی، اور آپ ﷺ نے کیسے کہہ دی، ہاں اگر قرآن کریم میں اس بات کی نفی ہو تو پھر اعتراض کی صورت بن سکتی ہے۔

ثانیا: یہاں نبی ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے لئے کوئی اشارہ نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے جو کچھ خبر دی ہے وہ وحی کے ذریعہ دی ہے:۔

اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ (الانبیاء: ۴۵)

کہہ دیجئے! میں تمہیں اللہ کی وحی کے ذریعہ آگاہ کر رہا ہوں مگر بہرے لوگ بات نہیں سنتے جبکہ انہیں آگاہ کیا جائے۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (الانعام: ۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے میں تو صرف اس کی اتباع کرتا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر نہیں ہو سکتا ہے؟ سو

www.sirat-e-mustaqeem.com

کیا تم غور نہیں کرتے۔

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو عالم الغیب تھے اور نہ حاضر و ناظر، صرف وہی چیز بتا سکتے ہیں جس کا وحی کے ذریعہ ان کو علم ملا۔

چھبیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ روایت میں ہے کہ منکر نکیر سوال و جواب کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہمیں پہلے ہی معلوم تھا تو یہ کہے گا کہ خوب مزے کی بات ہے خدا نے نہیں بتائی، مگر بندوں نے افسانہ تراشی میں کمال کر دکھایا، یہ نہ سوچا قبر میں زندہ ہونے سے تین دفعہ کی زندگی اور تین دفعہ کی موت ماننی پڑتی ہے۔

الجواب اس روایت میں کہاں ہے کہ منکر نکیر عالم الغیب ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ان کو یہ معلوم ہوتا ہے ایسی بات کو افسانہ بنانا محض حدیث دشمنی ہے جس کو آج تک تمام مسلمان برحق مانتے چلے آئے ہیں کیونکہ غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو کچھ جس کو چاہے بتلاتا ہے اس سے زیادہ وہ نہیں جانتا۔

ستائیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ اور عالم الغیب والشہادۃ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن منکر بندے یوں اعتراف کریں گے:۔

قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا الخ

مگر بندوں کی تحقیق انوکھی ہے ان کا کہنا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قرب قیامت تک جتنے مرے اور مریں گے حقیقت میں کوئی مردہ نہیں سب عالم برزخ میں زندہ ہو کر عذاب اور ثواب حاصل کر رہے ہیں، اور کرتے رہیں گے، جب اول بار صور پھونکا جائے گا تک سب مریں گے، اور ۴۰ سال تک اسی حالت میں رہیں گے جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے الخ۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

الجواب واقعی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ان کے ساتھ اس صفت میں کوئی شریک نہیں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ واقعی عام دو زندگیاں اور دو موت ہوتی ہیں مگر درمیان میں ضمنی اور عارضی زندگی ان کے منافی نہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور یقیناً وہ مرے ہوئے ہیں، دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں، لیکن وہاں ان کو اللہ تعالیٰ جیسا چاہے عذاب کر سکتا ہے ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلاً ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا

(بنی اسرائیل : ۷۵.۵۴)

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے، پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا، پھر آپ تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتے۔

اب صاحب رسالہ بتائیں کہ موت کے عذاب کا کیا مطلب؟ ثابت ہوا کہ موت کی حالت میں بھی عذاب ہو سکتا ہے جس کی پوری پوری کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر صرف اپنی عقل کی کوتاہی کی بناء پر انکار کر دینا صحیح نہیں۔

ثانیاً: خود آیت میں وضاحت ہے کہ پہلی پھونک کے وقت سب بے ہوش ہو جائیں گے۔ جیسے اوپر گزرا، لہٰذا ان کی زندگی کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا۔

اٹھائیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ بہت سی باتیں احادیث میں ایسی ہیں جو

www.sirat-e-mustaqeem.com

قرآن کریم کے بالکل مخالف ہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ ان احادیث کی مناسب تاویل کرتے اور اگر تاویل نہیں ہوسکتی تو انکار کرتے، کیونکہ کسی انسان سے غلطی ہو جانا کوئی ناممکن بات نہیں ہے، جب کہ انکا زمانہ بھی پیغمبر خدا ﷺ سے ڈیڑھ سو سال بعد کا ہو۔

الجواب یہ بات حقیقت کے خلاف ہے اور کوئی صحیح حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں، یہ اپنی سمجھ کی بیماری ہے اگر غور کیا جائے تو انکے اندر اختلاف نہیں رہتا مصنف رسالہ حدیث کو دشمنی سے خالی ہو کر دیکھنا چاہے تو ان شاء اللہ کوئی صحیح حدیث اسے قرآن کریم کے خلاف نظر نہیں آئے گی، اور جہاں ایسا اختلاف ہو کہ کوئی تطبیق ممکن نہیں تو وہ روایت سرے سے قواعد کے لحاظ سے ضعیف یا باطل ہے، قواعد کے لحاظ سے روایت صحیح ہو اور قرآن کریم کے خلاف ہو یہ ناممکن ہے۔ صرف یہ مخالفت نہیں کہ حدیث کسی ایسی چیز کا ذکر کرے جس کا قرآن کریم میں ظاہراً ذکر نہ ہو بلکہ مخالفت اس صورت میں ہے کہ حدیث ایسی چیز کا دعویٰ کرے جس کی قرآن کریم میں نفی ہو، جیسے اوپر بیان ہوا، اور یہ بھی غلط ہے کہ ڈیڑھ سو سال کے بعد حدیثیں لکھی گئیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہی لکھنا شروع ہو گئی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

انتیسواں اعتراض کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ ان بزرگوں نے نبی ﷺ کے حالات اکٹھا کرنے میں کافی کوشش کی، قرآن پاک کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس لئے کتاب الایمان میں ایسا مواد جمع ہو گیا جو قرآن کریم کے خلاف بلکہ حضور ﷺ کے منصب کے خلاف ہے۔

الجواب یہی آپ کا عقیدہ خطرناک ہے جس نے حدیث کا دشمن بنایا ہے ورنہ محدثین کی کوششیں نہایت کامیاب تھیں اور کوئی جھوٹی یا ضعیف حدیث، صحیح میں مخلوط

www.sirat-e-mustaqeem.com

نہیں ہوسکتی تھی۔ ہم مصنف رسالہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ محدثین کی تعلیل کے باب کا اچھی طرح مطالعہ کریں، تاکہ آپ کو پتہ لگے کہ ان کی کوشش کس طرح کامیاب رہی، رسول اللہ ﷺ واقعی اس کے مکلف ہیں کہ وہی بات بتائیں جو وحی کے ذریعہ سے آئی، اور ہم نے پہلے ثابت کیا کہ وحی آپ ﷺ کے پاس دو قسم کی آتی تھی۔

قرآن کریم اور حدیث دونوں وحی ہیں تو جو کچھ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بتلایا وہی بتاتے تھے۔ لہٰذا ان پر اعتراض صحیح نہیں، اور ماضی میں خواہ حال یا مستقبل میں جو کچھ آپ نے بتایا سب اللہ تعالیٰ کی وحی کے تحت بتایا ہے، بعض چیزیں قرآن کریم کے ذریعے اور بعض حدیث کے ذریعے جو وحی کی دوسری قسم ہے ایک کو تسلیم کرنا اور دوسرے کو نہ ماننا ایمان کے خلاف ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتایا وہ نبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے جاتے تھے اور ہم تک یہ دین محفوظ ہو کر پہنچا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے رسالوں کا ذکر کتابوں میں آتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ یہ چیز ثابت ہوتی تو صحابہ کہتے ورنہ نہ کہنے سے مجرم ہوتے، غلط ثابت ہوا نیز یہ آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ بھی صحیح تب ہوتی ہے کہ جب حدیث کو تسلیم کیا جائے، کیونکہ پورے احکام اور مسائل قرآن کریم و حدیث شریف دونوں کو دیکھ کر معلوم کئے جاتے ہیں، کئی مسائل حدیث سے معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں ذرہ بھر بھی اشارہ قرآن کریم میں نہیں، اس لئے قرآن کریم و حدیث پر ایمان لانا ہی دین کامل ہونے پر ایمان لانا ہے۔

آخر میں ہم مصنف رسالہ اور ان کے ہم نواؤں کو مشورہ دیتے ہیں کہ جلد بازی سے کام نہ لیں، بلکہ احادیث، شروح احادیث، مصطلح اور اصول حدیث کی

www.sirat-e-mustaqeem.com

کتابوں کا مطالعہ کریں، ان شاء اللہ العزیز اس قسم کے اعتراضات کرنے کی خواہش ہی نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور ذلت و گمراہی سے بچائے۔ آمین ثم آمین

العاجز
سید ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی
غفرلہ ولوالدیہ